بدنیت، بدسرشت اور بدنہادُ دورِ حکومت میں مسلمانوں کو شعبہ عدلیہ سے جڑنا ناگزیر ہے۔

شیخ نثار احمد تمبولی،
موبائل نمبر9372822580

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کی جنگِ آزادی میں علماء کرام، مسلم سیاسی رہنماء اور دانشوروں نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ ملک کے کسی بھی کونے کی مُٹھ بھر مٹی کا تجزیہ کیا جائیگا تو یقیناً ہر مُٹھی کی مٹی میں مسلمانوں کا خون پایا جائیگا۔ لیکن جس جوش وجذبہ اور طُمطُراق سے ملک کی آزادی میں انہوں نے حصہ لیا اس کے بعد وہ جوش وجذبہ آزاد ملک میں بسنے والے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے تعلق سے ان میں نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد سے آج تک مسلمانوں کی حالت کسم پرسی کی رہی ہے۔ تعلیمی بیداری کے تعلق سے کچھ ترقی تو ضرور ہوئی ہے لیکن قانونی بیداری عنقاء رہی۔ آئین ہند مرتب کیا گیا تب سے لیکر آج تک آئین میں ۹۳ سے زائد ترمیمات کی جا چکی ہے ملک بھر میں مرکزی اور ریاستی سطح پر ہزاروں قوانین مرتب کئے جا چکے ہیں اور مرکزی سطح پر سات نیشنل کمیشن اور ریاستی سطح پر انگنت کمیشن کو قانونی درجہ دیا گیا ہے۔ لیکن آج تک کسی مسلم ایم۔ پی، ایم۔ ایل۔ اے، ایم۔ ایل۔ سی یا اثر ورسوخ رکھنے والے رہنماء نے آئین میں ترمیم کے وقت یا کسی بھی قانون کے مرتب ہونے سے پہلے اس قانون کے بل پر خصوصی توجہ نہ دی ہوا ایسا شاذ ونادر ہی ہوا ہوگا۔ لہذا نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ آئین ہند کی دفعات کی آرٹیکل ۲۹، (۱)۳۰ اور (AB)۳۵۰ میں اقلیت لفظ کا ذکر تو ضرور ہے لیکن متذکرہ آرٹیکل پریکٹیکل طور سے اقلیت کیلئے ایک سراب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بالخصوص آرٹیکل ۱۴ کی موجودگی میں اقلیت سے منسوب متذکرہ تینوں آرٹیکل ہونے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔ برخلاف اس کے شیڈولڈ کاسٹ، شیڈولڈ ٹرائب اور اینگلوانڈین کمیونیٹی کیلئے پارلمینٹ اور اسمبلی میں جگہ مخصوص رکھنے کی سہولت کے ساتھ ساتھ چند ملازمت میں بھی ان تینوں طبقات کے افراد کیلئے نشستیں آئین ہند کی دفعہ ۳۳۰ تا ۳۳۸ کے تحت مختص رکھی گئی ہے۔ اتنا ہی نہیں اینگلوانیڈین طبقات کے لیئے تو ایجوکیشنل گرانٹ کی سہولت بھی موجود ہے۔ برعکس اس کے سکھ مذہب ماننے والے اقلیتی طبقے کے افراد میں بیداری کا ثبوت دیکھئے کہ آئینِ ہند کی دفع ۲۵ کے تحت سکھ مذہب ماننے والوں کو کرپان (ایک قسم کا ہتھیار) اپنے ساتھ لئے پھرنا اس معمول کو مذہبی فریضہ تسلیم کیا گیا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں قانون میں ترمیم کر کے سکھ مذہب کے ماننے والوں کو شیڈولڈ کاسٹ کی سہولت عطا کی گئی اور ۱۹۹۰ء میں یہی سہولت بدھ مذہب کے ماننے والوں کو بھی دی گئی۔ اقلیت کیلئے نہ نوکری میں، نہ ہاؤس میں اور نا ہی تعلیمی گرانٹ کے تعلق سے آئین ہند میں کچھ موجود ہے۔ مرکزی سطح پر جن کمیشن کیلئے ایکٹ مرتب کئے گئے ہیں جن میں شیڈول کاسٹ، شیڈول ٹرائب، عورتوں، بیکورڈ کلاس، صفائی کرمچاری، اقلیتی کمیشن اور اقلیتی کمیشن برائے تعلیمی ادارے کے تعلق سے کمیشن کا نفاذ کیا گیا ہے۔ اقلیت کے مائناریٹی کمیشن کا چیئرپرسن نان جوڈیشیل ہوتا ہے۔ لیکن بیکورڈ کلاس کے کمیشن کا چیئرپرسن جوڈیشیل تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کا Seating جج بھی ہوسکتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے جس کمیشن کا چیئرپرسن سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کا جج ہوں گا وہ کمیشن اپنی ذمہ داریوں کو بہ نسبت نان جوڈیشیل چیئرپرسن کے بدرجہ اتّم طریقے سے نبھا سکے گا۔ اتنا ہی نہیں ہمارے کمیشن کے عہدے داران کو چند شرائط یا حکومت کی مرضی کے مطابق کبھی بھی ہٹایا جاسکتا ہے لیکن شیڈول کاسٹ، شیڈولڈ ٹرائب اور عورتوں کے کمیشن کے عہدے داران کو انکے عہدے سے ہٹائے جانے کا کوئی بھی طریقہء کار قانون میں موجود نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں جس طبقے کے لئے منسلک کمیشن کا نفاذ کا کیا گیا ہے اس طبقے پر اثر انداز ہونے والی تمام پالیسی کے تعلق سے ریاستی اور مرکزی حکومت پر لازم وملزوم ہے کہ وہ متعلقہ کمیشن کے ساتھ صلح مشورہ کرے لیکن اقلیتی کمیشن کے تعلق سے ایسا کوئی بھی طریقہ کار قانون میں موجود نہیں ہے۔

ہمارے تعلق سے آئینی دفعات یا دیگر قوانین میں ہماری فلاح و بہبودی اور ترقی وترویج کے تعلق سے جو لاپرواہی برتی گئی ہے اس کی ایک ہی وجہ ہے وہ ہے قانونی عدم بیداری اور قانونی علم کا فقدان اور اس قانونی عدم بیداری قانونی علم کے فقدان کا بنیادی سبب ہے ہماری قوم میں لاءفیکلٹی سے لاپرواہی اور لاء گریجویٹس کی کمی۔ کسی قانون کے تعلق سے بل یا ڈرافٹ کی شکل میں اخبارات یا میڈیا کے ذریعے جب بھی چرچا ہوتا ہے اس وقت ہمارے سیاسی رہنماء، مذہبی رہنماء اور دانشور یا عام شہری کسی بھی قسم کی فکر نہیں لیتے ہیں۔ جذباتی یا حساس مسائل کے تعلق سے دھرنے، آندولن، جلسے وجلوس اور میمورینڈم کا سلسلہ روزانہ نہیں مہینوں یا سالوں گنتی چلتا رہتا ہے۔ سکہ کا دوسرا روپ دیکھئے کہ کبھی ہم سے تعلق قوانین کے بل پر ہم نے گلّی سے دلی کبھی کسی بھی قسم کی تحریق نہیں چلائی وجہ صاف ہے قوم میں لاءفیکلٹی کے افراد کی کمی۔ ہمارے تعلق سے کسی نے کہہ دیا قانون ایسا ہے یا یہ معاملہ پالیسی میٹر کا ہے، ہم بلا تحقیق اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں سورۂ حجرات (پارہ نمبر ۲۶) میں تحقیق کے تعلق سے تفصیلاً حکم ہے، پھر بھی ہم میں تحقیق کے جذبہ کا فقدان ہے۔ وجہ ہے پھر وہی یعنی قوم میں لاءفیکلٹی کے افراد کی کمی۔ مذہبی اصطلاح کے لفظی معنی پر ہم جان تو چھڑکتے ہیں لیکن مرادی معنی کو سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ جن معاملات سے شریعت میں دخل کا تعلق مطلق نہیں ہوتا ہے ان کو بھی شریعت سے جوڑ لینا کبھی کبھی مہنگا پڑتا ہے اس قسم کی ایک غلطی کا خمیازہ نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور سے تاریخ شاہد ہیکہ جہاں راجہ رام موہن رائے کلکتہ میں ایک سنسکرت کالج کھولے جانے کی بجائے انگریزی کالج کھولے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے وہاں ہندوستان کے آٹھ ہزار مولوی مسلمانوں کو انگریزی سے دور رکھنے کی تحریک چلا رہے تھے۔ اب ہمیں دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اندازِ فکر بدلنا ہوگا۔ کم از کم ہمارے تعلق سے نافذ ہونے والے قوانین یا کمیشن مرتب کئے جا رہے ہو اس وقت ملک گیر پیمانے پر ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا اقلیتی کمیشن ہو یا آئین ہند کی دفعات، جہاں جہاں کمی ہے وہاں وہاں ترمیمات کے تعلق سے بھی ہمیں کوشاں رہنا ہوگا۔ لیکن اس قسم کے ماحول کیلئے ضروری ہیکہ قصبہ، گاؤں، شہر ہر جگہ لاءفیکلٹی کے افراد ہم میں موجود ہوں۔

ملک ہند کو ایک صاف ستھرا نظامِ عدلیہ جو ایک کلمہ گو شہری دے سکتا ہے وہ اپنے آپ میں ایک الگ مثال ہوگی۔ سویل، کریمنل، چیاریٹی، لیبر، کنزیومر اور وقف بورڈ کیلئے جج کا انتخاب ہر سال کیا جاتا ہے۔ لیکن جج بننے کے لئے بھی وکالت کا امتحان دینا ہی پڑتا ہے۔ وکالت کا نام سنتے ہی مذہب پسند حلقہ اعلان کر دیتا ہیکہ عموماً یہ پیشہ شریعت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہیکہ اگر آپ کا ضمیر زندہ ہے تو وکالت کے شعبہ میں رہ کر بھی آپ اپنی آخرت برقرار رکھ سکتے ہیں۔ بازار رنگ برنگی قمقموں سے روشن ہے اور راستوں کی آرائش و زیبائش میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں ہے۔ لیکن پانی سے لبالب بھرا برتن آپ کے ہاتھ میں تھما کر کہا جائے کہ بازار کی سیر وتفریح کرو، اور تمام تر آرائش ونمائش کا لطف بھی اُٹھاؤ لیکن خیال

رہے برتن سے پانی کا ایک قطرہ بھی چھلکا تو جلاّد کی تلوار آپ کے سر پہ ہمیشہ وارد ہے ۔یقینی بات ہیکہ ایک تلوار کا خوف آپ کو بازار کی آرائش وزیبائش سے لاتعلق کر دیتا ہے تو اسی طرح کیا خوفِ خدا کے رہتے ہوئے ایک مسلمان سے شعبہ عدلیہ میں غلطی سرزد ہونا ممکن ہے، بھلے سے ہی اس شعبے میں جھوٹ اور مکر ریب ہمیں اپنی طرف کھینچتا ہو؟ جب تک لاء فیکلٹی سے منسلک مسلم فراد کی تعداد نظام عدلیہ میں مناسب طریقے سے نہ ہوگی ہمارا استحصال، حق تلفی اور ہم پر ہونے والی ناانصافیوں کا سلسلہ لامتنہی رہے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر ہمیں خدشہ یہ ہے کہ وکالت کے پیشہ سے ہمارا مذہب مجروح ہوسکتا ہے تو یہ بات صاف کردینا ضروری ہے کہ وکالت کے پیشہ میں ایسی بھی لائن ہے جہاں ہم شریعت پر قائم رہ کر بھی حق وحلال کی روزی روٹی کماسکتے ہیں۔ جیسے، اگر ہمارے وکلاء، نان ونفقاء کے تعلق سے سیکشن ۱۲۵ کے کیس، ایکسیڈنٹ کلیم Negotiable Instrument Act کے سیکشن ۱۳۸ کے تحت چیک کے تعلق سے درج ہونے والے معاملات، کنزیومر کورٹ، لیبر کورٹ، انڈسٹریل کورٹ، اسکول ٹرابیونل، کالج ٹرابیونل، مہاراشٹر اایڈمنسٹریٹیو ٹریبونل، سینٹرل ایڈمنسٹریٹیو ٹریبونل، وقف بورڈ، چیاریٹی کمیشن اور آربیٹری کورٹ وغیرہ عدالتیں ہیں جہاں جھوٹ مکر وفریب سے بچا جاسکتا ہے۔ مدرسہ، مساجد، خانکاہ، درگاہ، اور ٹرسٹ کے رجسٹریشن کے کام میں حصہ لیکر ایک اچھا ذریعہ معاش حاصل کرسکتا ہے۔ یہاں بھی جھوٹ مکر فریب سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا ممکن ہے۔

اس کے علاوہ سرکاری وکیل، مرکزی یا ریاستی محکمہ جات میں قانونی مشیر، ہر چھوٹی بڑی کمپنیوں میں چاہے وہ پبلک سیکٹر کے زمرے میں آتی ہو یا نجی کمپنی میں قانونی مشیر کی جگہ ہوتی ہے۔ جو ہمارے لئے ایک اچھا ذریعہء معاش ثابت ہوسکتی ہے۔ جہاں بیٹھ کر ہمارے نوجوان شریعت کے تقاضوں کو مکمل طور سے پورا کرنے کے بعد اس ملک کے نظام عدلیہ کو تقویت پہنچا سکتے ہیں۔ معاملہ بحث سے پرے رکھنے کی غرض سے اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیتے ہیں کہ وکالت میں جھوٹ اور مکر وفریب کا حاوی ہونا لازمی ہے تب بھی وکالت کی سند حاصل کرکے ترقی وترویج کے لئے دوسری انگنت راہیں آپ کی منتظر ہیں۔ ایک طالب علم، اگر یہ سوچ لے کہ مجھے وکالت کی سند لینے کے بعد (جج) J.M.F.C کے امتحان میں کامیابی حاصل کرکے جج کا عہدہ حاصل کرنا ہے تو دورانِ تعلیم ہی وہ سویل اور کریمنل (Evidence Act) ان مضامین پر زیادہ توجہ دے۔ یہ محنت J.M.F.C (جج) کے امتحان میں کام آنے والی ہے کیونکہ انہیں مضامین پر مشتمل تحریری امتحان ہوتا ہے۔ تحریری امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۶۰ فیصد یا ۶۰ فیصد سے زائد مارکس حاصل ہوتے ہیں تو آپ متذکرہ امتحان میں شرکت کے قابل ہوجاتے ہیں۔ بالفرض اگر آپ کا Percentage کم ہے تو سند ملنے کے تین سال بعد آپ کو اس امتحان میں شرکت کا موقع مل سکتا ہے۔ برسا ہا برس سے ہمارے ذہنوں میں یہ بدگمانی چھائی ہوئی ہیکہ کسی بھی سلیکشن میں تعصب کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اس امتحان کے تعلق سے تفصیل جاننا ضروری ہے۔ جج کے انتخاب کا طریقہ کار یہ ہے کہ سویل اور کریمنل (مع ایویڈنس ایکٹ) دونوں مضامین پر مشتمل سو/سو مارکس کا تحریری امتحان لیا جاتا ہے۔ تحریری امتحان میں آپ کا نام نہیں بلکہ آپ کا نمبر ہوتا ہے۔ لہذا تعصب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحریری امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد ساٹھ مارکس پر مشتمل زبانی انٹریو سے طالب علم کو گزرنا پڑتا ہے۔ جس میں زبانی سوال و جواب کے علاوہ آپ کی شخصیت، آپ کی بول چال، آپ کی چال ڈھال، آپ کا رکھ رکھاؤ اور اٹیکیٹ میانرس وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ اس انٹریو کے دوران یہ بات صاف ہے کہ اگر کوئی کینڈیڈیٹ بھلے ہی مسلم ہو لیکن اگر وہ پروقار شخصیت رکھتا ہو، اسکا اٹھنا بیٹھنا اور اسکا رکھ رکھاؤ اعلیٰ درجہ کا ہو، تو چاہتے ہوئے بھی اسکے ساتھ ناانصافی کے امکانات بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ پھر بھی اگر ہم منفی گمان لیکر ہی بیٹھے کہ تعصب ہمارے راستے میں حائل ہوتا ہے تب بھی یہ بات صاف کردینا ضروری ہے کہ اگر تحریری امتحان میں ہمیں اچھے نمبرات حاصل ہوجائے اور انٹریو میں کم نمبرات ملے تب بھی دونوں کے ٹوٹل نمبرات کو ملحوظ رکھ کر تقرری ہوسکتی ہے۔

گزشتہ دو برسوں سے محکمہ پولیس میں لاء آفیسر کی تقرری Contract Basis پر ۱۱/۱۱ مہینے کی معیاد پر کی جاتی ہے۔ متذکرہ پوسٹ کو تین حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ لاء آفیسر A گریڈ ایک جگہ مہاراشٹر کے ڈائریکٹر جنرل آف پولیس کے آفس میں، لاء آفیسر B گریڈ، ہر ضلع کے ایس پی آفس میں ایک اور جس ضلع میں جتنے S.D.P.O ہوتے ہیں اتنے لاء آفیسر کا تقرر کیا جاتا ہے۔ اس امتحان میں جتنے طلبہ written میں شریک ہوتے ہیں ان سب کو (Main) مین انٹریو میں شرکت کا بھی موقع دیا جاتا ہے۔ اجتماعی طور سے اگر ہم نے محنت کر کے ہمارے لاء گریجویٹس کو متذکرہ لاء آفیسر کی پوسٹ حاصل کرنے کی ترغیب دی تو یقینی بات ہیکہ وہی لاء آفیسر پولیس کو قانون اور حق پر مبنی رائے دے گا لہذا ہمارے ملک میں ایک صاف ستھرا پولیس محکمہ تیار ہوسکتا ہے نیز اگر ہمارے افراد مناسب طریقے سے محکمہ پولیس میں بحثیت لاء آفیسر کے کام کررہیں ہوں گے تو ظاہر سی بات کہ اگر محکمہ پولیس سے ہماری شکایتیں ناجائز تو وہ بھی دور ہوسکتی ہے۔ ۱۱/مہینے کے لئے بھی ہمارے نوجوانوں تقرر اگر ہوتا ہے تو اس عرصے میں انہیں جو تجربہ حاصل ہونا ہے اور تعلقات اور مراسم جو بڑھ جاتے ہیں وہ مستقبل میں یقیناً کامیابی کا ضامن ہوں گے۔

لاء فیکلٹی اور دیگر فیکلٹی کے افراد میں ایک خاص فرق کا پایا جانا شرط ہے کیونکہ ملک کے آئین وقوانین آرڈیننس، نوٹیفیکیشن، جی آر اور سرکیولر میں فرق کو لاء فیکلٹی کے امیدوار اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں، قوم میں قانونی بیداری اجاگر کرسکتے ہے۔ لاء فیکلٹی کے افراد کا فطرطاً مزاج یہ بن جاتا ہیکہ جب کبھی بھی آئین وقوانین کے مرتب ہونے سے پہلے بل یا ڈرافٹ ان کی نظر سے گذرتا ہے تو وہ تقابلی طور سے اس کا مطالعہ کر کے حکومت کے منسلک محکمہ کو صلح مشورہ دیتے رہتے ہیں۔ قانون کا گریجویٹ اگر کسی قانونی شعبہ سے نہ بھی جڑا ہوگا تو ملک ملت کیلئے وہ بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے یہاں تک کہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر، تاجر، یا سائنسداں سے بھی بڑھ کر۔ لہذا بہ نسبت دیگر فیکلٹی کے گریجویٹ کے مقابلے میں لاء فیکلٹی کے گریجویٹ اگر زیادہ تعداد میں بے روزگار بھی رہیں گے تو بھی وہ ملک قوم کے لئے نہایت ہی کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔

ضرورت وقت کا تقاضہ ہیکہ اب ہر شہر میں ایسے مراکز قائم کئے جائیں جہاں سے شہر کے نوجوانوں کو اُکسایا جائے اور ترغیب دی جائے کہ وہ لاء فیکلٹی کو بھی اپنانا شروع کرے ان کی مالی دشواریوں کو خصوصی طور سے اپنے یا ممبئی شہر کے مختلف اداروں یا افراد سے مدد لیں۔ جج کے امتحان کی تیاری کیلئے منظم طور سے دو، دو مہینے کا ایک فل ٹائم مرکز قائم کیا جائے جہاں پر ملک کے بڑے بڑے ہندوں، مسلم وکلاء کی مدد لی جائے۔ اپنے ایک تجربے سے یہ بات بتلاتا چلوں کہ Seating جج بھی آپ کے مراکز میں آکر کوچنگ کا کام کریں گے۔ قانونی فیلڈ کا ایک لمبا تجربہ یہ بتلاتا ہیکہ غیر کلمہ گو بھائی بھی یہ چاہتے ہیں کہ اس شعبے میں مسلمانوں کی مناسب تعداد ہو۔ اگر کسی شہر میں مناسب جگہ نہیں ہے تو دینی مدارس کے احاطے میں بھی یہ مرکز چلائے جاسکتے ہیں جہاں رہ کر امیدواروں کو مذہبی رجحان بھی مل پائے گا۔